

ڈاکٹر محمد اقبال کی تنقیدات و ترجیحات

در دیدہ معنی نگر آں حضرت اقبال : پیملری کرد و پیملر نتواں گفت

جناب مولانا حکیم فضل الرحمن صاحب سواتی مقیم آمبور جنوبی ہند

ترجمان حقیقت ڈاکٹر محمد اقبال علیہ الرحمۃ بڑے جوشیلے اور جذباتی آدمی تھے، جب کبھی اپنے نظریے کے خلاف کسی میں کوئی بات دیکھ لیتے تو فوراً جوش میں آکر اُس پر تنقید فرماتے، چونکہ وہ صرف جوشیلے اور جذباتی تھے ضدی نہ تھے، اس لئے پھر اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ میں غلطی پر ہوں یا یہ معلوم ہو جاتا کہ لوگ ان کی تنقید کو پسند نہیں کرتے تو فوراً اس سے رجوع فرماتے اور آئندہ اشاعت سے اُس تنقید کو خارج کر دیتے، اس موقع پر میں چند تنقیدات و ترجیحات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) ڈاکٹر محمد اقبال کی پہلی تصنیف مثنوی اسرارِ خودی ۱۹۱۶ء میں شائع ہوئی تھی، میں نے جب اخبارات میں اس کا ذکر دیکھا تو فوراً اُسے منگو الیا اور غور سے دیکھا، اُس میں دو تنقیدیں تھیں، ایک تو خواجہ حافظ شیرازی پر، اور دوسری صوفیائے کرام پر، حافظ شیرازی پر بہت سخت تنقید تھی، پینتیس عدد اشعار اس بارے میں درج تھے، یہ تنقید مجھے سخت ناگوار گذری، فوراً ایک خط جناب ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں لکھا کہ کتاب اچھی ہے۔ لیکن خواجہ حافظ پر جو تنقید ہے وہ ٹھیک نہیں ہے، صوفیائے کرام پر جو تنقید تھی اُس کا جواب خواجہ حسن نظامی نے اپنے ماہنامہ رسالہ نظام المشائخ میں بہت بسط اور شرح کے ساتھ دیا پھر اُس کا جواب ڈاکٹر صاحب نے اخبار دکیل امرتسر میں دیا، اسی طرح تین بار جواب خواجہ حسن نظامی نے دیا اور تین بار ڈاکٹر صاحب نے جواب لکھا، یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ مجھے اپنے وطن سوات جانے کی ضرورت پڑی چنانچہ ماہ اگست ۱۹۱۶ء میں لاہور پہنچا اور

جناب ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے جو خط دربارہ تنقیدی اشعار بابت خواجہ حافظ شیراز لکھا تھا اُس کا جواب نہیں آیا، آپ نے فرمایا کہ اس قسم کے متعدد خطوط ہند اور بیرون ہند سے آئے ہیں، ایک خط جو لندن سے مشیر حسین قدوائی نے انہیں لکھا تھا اور اُسی دن انہیں ملا تھا نکال کر سنایا، انہوں نے لکھا تھا کہ مثنوی اسرارِ خودی کو میں نے پڑھا کتاب بہت بہتر ہے، لیکن خواجہ حافظ شیراز پر جو تنقید ہے وہ درست نہیں ہے، پھر جناب ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ جب لوگ پسند نہیں کرتے تو آئندہ اڈیشن سے ان اشعار کو خارج کر دوں گا، لوگوں کی خاطر مجھے ایسا کرنا پڑے گا ورنہ حافظ شیراز کے متعلق میرا نظریہ یہی ہے جس کا اظہار میں نے تنقیدی اشعار میں کیا ہے، پھر آپ نے فرمایا کہ حافظ نے اپنی ہستی کا ستیاناس کر دیا۔ معشوق کے سامنے اپنے آپ کو کتنا ثابت کر دیا ہے، چنانچہ انہوں نے یہ شعر ستادیا ہے

شنیدہ ام کہ سگاں را قلا دہ می بندی ۛ چرا بگردن حافظ نمی ہنی رکنے

میں نے کہا کہ یہ شعر مجاز نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اے خدا میں نے سنا ہے کہ تم فساق و فجار کو اپنی آغوشِ رحمت میں لیتے ہو حافظ جو فساق و فاجر ہے اُسے کیوں اپنی آغوشِ رحمت میں نہیں لیتے، یہ سن کر ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ آپ تو خاص آدمی ہیں مگر معاملہ تو عوام سے ہے، میں نے کہا کہ دیوانِ حافظ بھی تو عوام کی چیز نہیں، بلکہ خواص کی ہے، آپ نے فرمایا کہ اطمینان رکھئے، میں ضرور ان تنقیدی اشعار کو حذف کر دوں گا، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، وہ تنقیدی اشعار یہی ہیں، غور سے ملاحظہ فرمائیں۔

ہو شیار از حافظ صہبا گار ۛ جاش از زہرا جل سرمایہ دار

رہن ساقی خرقہ پر ہیز او ۛ مے علاج ہول رستاخیز او

نیست غیر از بادہ در بازار او ۛ از دو جام آشفہ شد دستار او

چوں خراب از بادہ گلگوں شود ۛ مایہ دارِ حشمتِ قاروں شود

مفتی، اقلیم او مینا بدوش ۛ محتسب مہنون پیر مے فروش

طوف ساغر کرد مثل زنگ مے ۛ خواست فتویٰ از رباب و چنگ مے

در رموز عیش و مستی کا ملے ۛ از خُجے خوں در دلے پا در اگلے
 رختِ شغلِ ساغر و ساقی گذاشت ۛ بزمِ زندان دے باقی گذاشت
 چوں جرس صد نالہ رسوا کشید ۛ عیش ہم در منزلِ جاناں شدید
 در محبتِ پیر و فرہاد بود ۛ بر لبِ رو شعلہ فریاد بود
 تخمِ نخلِ آہ در کہسار کاشت ۛ طاقتِ پیکار با خسر و نداشت
 سلم و ایمان او ز تار دار ۛ رخنہ اندر دینش از ترکانِ یار
 آنچنان مستِ شرابِ بندگی ست ۛ خواجہ و محرومِ ذوقِ خواہگی ست
 دعویٰ او نیست غیر از قال و قیل ۛ دستِ او کوتاہ و خرما بر نخیل
 آن فقیر ملتِ مے خوار گاں ۛ آن امامِ اُمتِ بے چار گاں
 گو سفند است و نوا آموخت است ۛ عشوہ و ناز و ادا آموخت است
 دل ربائی ہائے اودہرست و بس ۛ چشمِ او غارت گرِ شہرست و بس
 ضعفِ رانامِ تو انائی دہد ۛ سازادِ اقوام را رسوا کند
 اربز یوناں زمین زیرک تر است ۛ پردہٗ عودش حجابِ اکبرست
 نغمہٗ چنگش دلیلِ انحطاط ۛ ہاتفِ او جبرئیلِ انحطاط
 بگزر از جامش کہ در مینائے خویش ۛ چوں مریداں حسن دارد حشیش
 از تخیلِ جنتے پیدا کند ۛ مرترا بر نیستی شیدا کند
 ناوک اندازے کہ تاب از دل برد ۛ ناوکِ اد مرگ را شیریں کند
 مار گلزارے کہ دارد ز ہر ناب ۛ صید را اول ہے آرد بخواب
 عشق با بحرِ نگاہش خود کشی ست ۛ کشتنش مشکل کہ مارِ خوانگی ست
 حاتمِ جادو بیاں شیرازی ست ۛ عرقی آتش بیاں شیرازی ست
 این سوی ملکِ خرد مرکب جہانند ۛ آں کنارِ آبِ رکتِ آباد ماند

ایں قتیل ہمت مردانہ : آں زمرِ زندگی بیگانہ
 دست ایں گیرد ز آنچہ خوشہ : چشم آں از اشک دارد توشہ
 روزِ محشر رحم اگر گوید بگیر : عرقیا فردوس و حور او حریر
 غیرت او خندہ بر حورا زند : پشت پا بر جنت الما زند
 بادہ زن با عرقی ہنگامہ یخز : زندہ از صحبتِ حافظ گریند
 ایں فسوں خواں زندگی از مار بود : جام او شانِ جی از مار بود
 محفل او در خورِ ابرار نیست : ساغر او قابلِ احرار نیست
 بے نیاز از محفلِ حافظ گذر : الحذر از گو سفنداں الحذر
 دکھیا آپ نے کس قدر سخت تنقید ہے؟ جسے میری طرح متقدینِ حافظ برداشت نہیں کر سکتے۔
 ڈاکٹر صاحب نے مندرکہ بالا تنقیدی اشعار کو مثنوی اسرارِ خودی سے خارج تو کر دیا مگر حافظ کے متعلق
 ان کا جو نظریہ ہے اُس میں کوئی فرق نہیں آیا، اگرچہ حافظ کو انھوں نے تنقیدی اشعار میں چادوہیاں
 کہا ہے لیکن دونوں کے نظریہ کے اختلاف کی وجہ سے ان کا دل حافظ کے متعلق صاف نہیں ہوا ہے، کئی
 بار انھوں نے حافظ کے اشعار پر تفسیریں کی ہیں مگر حافظ کا نام نہیں لیا ہے، ”کلیات میں نصیحت“ کے
 عنوان سے جو نظم ہے اُس میں اخیر کا شعر حافظ کا ہے۔

عاقبت منزلِ ما وادیِ خاموشاںست : حالیا غلغلہ در گنبدِ افلاک انداز
 خطاب بہ نوجوانانِ اسلام میں یہ مصرعہ حافظ کا ہے۔ ع

”بآبِ دِزنگِ دِخالِ دِخطِ چہ حاجتِ روئے زیبارا“

قربِ سلطان کی نظم میں یہ مصرعہ حافظ کا ہے۔ ع

”گدائے گوشہ نشینی تو حافظِ محروش“

اور یہ شعر بھی حافظ کا ہے۔ ع

محلِ نور تجلی ست رائے انورِ شاہ : چو قربِ رطلبی در صفائے نیتِ کوش

ارتقاء کے عنوان سے جو نظم ہے اُس کا دوسرا مصرعہ بادی تضرع حافظ کا ہے۔
 ”چراغِ مصطفوی سے شرابِ بولہبی“

ایک خط کے جواب میں جو نظم ہے اُس میں اخیر کا شعر حافظ کا ہے۔
 گرت ہوا ست کہ باخضر ہم نشیں باشی : نہاں ز چشمِ سکندر چوں آبِ حیواں باش
 اسیری کے عنوان سے جو نظم ہے اُس کا آخری شعر حافظ کا ہے۔

شہپر زاغ و زغن زیبا و قید و صیدیت : کیں سعادت قسمتِ شہباز و شاہین کردہ اند
 طلوعِ اسلام کے عنوان سے جو نظم ہے اُس کا اخیر شعر حافظ کا ہے۔

بیاتنا گل بے فیشا نیم وے در ساغر اندازیم : فلک را سقف بشکافیم و طرح دیگر اندازیم
 ظریفانہ نظم کے عنوان سے جو نظم ہے اُس کا اخیر شعر حافظ کا ہے۔

دلِ حافظ بچہ از رد بہ پیش رنگیں کُن : وا نگہش مست و خراب از رہ بازارِ بیار
 میرے حافظ میں جو نظمیں تھیں اور جن میں حافظ کے اشعار پر تفسیلات تھیں انہیں میں نے لکھا،
 ممکن ہے کہ اور تفسیلات بھی ہو لیکن مجھے اُن کا علم نہیں ہے اور شعراء کے اشعار پر بھی ڈاکٹر اقبال نے تفسیلات لکھی
 ہیں اُن شعراء کا نام صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے مثلاً فرماتے ہیں:-

تضمین بر شعر انیسی شاملو

وفا آؤختی ازما بکارِ دیگران کردی : رلودی گوہرے ازما نثارِ دیگران کردی
 تضمین بر شعر صائب

ہماں بہتر کہ لیلی در بیاباں جلوہ گر باشد : ندارد تنگنائے شہر تاجِ حس صحرائی
 تضمین بر شعر مرزا بیدل

باہر کمال اند کے آشفستگی خوش ست : ہر چند عقلِ کل شدہ بے جنوں مباح
 تضمین بر شعر ملک قمری

رفتم کہ خار از پاکشتم محل نہاں شد از نظر : یک خط غافل بودم و صد سالہ را ہم دور شد

فردوس میں مکالمہ کے عنوان سے جو نظم ہے اُس کے پہلے شعر کے دوسرے مصرعے میں شیخ سعدی شیرازی کا نام ہے اور دوسرا شعر تو سعدی ہی کا ہے۔

اے آنکہ ز نورِ گہرِ نظمِ فلک تاب : درمن بچراغِ مہ و اخترِ زدہ باز
اخیر کا شعر بھی سعدی شیرازی کا ہے۔

خرمانتواں یافت ازاں خارِ کشتیم : دربانِ نتواں یافت ازاں پشیم کہ رشتیم
ڈاکٹر اقبال نے خواجہ حافظ شیراز کو کماحقہ پہچانا نہیں ہے، اس لئے وہ انکو شرابی کہتے ہیں حالانکہ کسی نے حافظ کو شراب پیتے ہوئے نہیں دیکھا ہے نہ گھر کے لوگوں نے اُن کو شراب پیتے ہوئے دیکھا نہ باہر کے لوگوں نے۔ خواجہ حافظ لسان الغیب کے نام سے مشہور ہیں ایک فہ اورنگ زیب عالمگیر کی شاہی مہر گم ہو گئی تھی چونکہ وہ بہت قیمتی تھی جواہرات اُس میں لگے ہوئے تھے، اسکے علاوہ انکو سب بڑا خدشہ یہ تھا کہ اگر اُسکو کوئی غلط طریقہ پر استعمال کرے تو حکومت کا بہت زبردست نقصان ہوگا، اسی فکر میں غلطاں و پریشان تھے، چوں کہ انکو خواجہ صاحب سے کمال عقیدت مندی تھی، اس لئے فال دیکھنے کی غرض سے دیوانِ حافظ اٹھایا اور کینز کو پکارا کہ چراغ لے کر آؤ، وہ چراغ لے کر آئی انھوں نے دیوان کھول کر دیکھا تو یہ شعر نکلا۔

لفروغِ چہرہ زلفت ہمہ شب زندر و دل : چہ دلا و درست دُردے کہ بجھ چہ چراغ دارد
انھوں نے فوراً کینز کی تلاشی لی تو اُس کی کمر سے مہر برآمد ہوئی۔

دور کیوں جاے، میری ہی حالت سنئے ۱۹۳۶ء میں میں اپنے وطن سوات میں تھا، یہاں سے میں ۱۹۳۳ء میں گیا تھا، میرے چار بچے یہاں آہور میں اپنے نانا محمد ہاشم صاحب کے پاس تھے اور میں سوات میں تھا، سوات کے خویش و اقارب نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں واپس آہور نہ جاؤں، میں بڑی کشمکش میں مبتلا تھا کہ واپس جاؤں یا سوات میں رہوں، آخر دیوانِ حافظ کھول کر فال نکالا تو یہ شعر نکلا۔

من از دیارِ جہیم نہ از دیارِ رقیب : مہمینا بہ رفیقان خود رساں باز
میرے بڑے لڑکے کا نام حبیب الرحمن ہے، یہ دیکھتے ہی جانے پر آمادہ ہوا لیکن ہاتھ میں رقم نہیں تھی، حیران نقطہ دار دائرہ پرکار میں رہا، گھر سے جب باہر نکلا تو ایک شخص باہر کھڑا میرے انتظار میں تھا، اُس نے

ایک سو روپیہ پیش کیا کہ دمہ کی دوا آپ نے جو دی تھی اُس سے بڑا فائدہ ہوا، بین سال کا دمہ اُس سے بالکل ٹھیک ہو گیا، یہ ایک سو روپیہ لے لو اور وہ نسخہ لکھ کر دیدو، چنانچہ کھڑے کھڑے وہ نسخہ لکھ کر میں نے دیدیا اور دوسرے دن بدرا اس جانے لگا، اُس وقت سے اب تک یہاں آہو میں ہوں، کوئی صورت اپنے ملک جانے کی نہیں نکلتی، اچھا اب دوسری تنقید اور ترجیح ملاحظہ فرمائیے!

(۲) دسمبر ۱۹۶۲ء کے اخیر صفحہ میں انڈین نیشنل کانگریس کا سالانہ اجلاس ناگپور میں زیرِ صدارت وجے رگھو اچاریہ منعقد ہوا تھا جس میں مہاتما گاندھی کا نان کو اپریشن والا ریزولوشن پاس ہو گیا تھا جس کی مخالفت قائدِ اعظم محمد علی جناح نے کی، لوگوں نے اُن پر شیم شیم کی آوازیں کی تھیں، میں نے بھی زور زور سے شرم شرم کی آوازیں بلند کی تھیں، جناح صاحب اُسی وقت کانگریس سے نکل گئے، ہندوستان میں اب کوئی ادارہ اُن کے لئے نہیں رہا، مسلم لیگ تو مر چکی تھی، اس کی جگہ خلافت کانفرنس کام کر رہی تھی، مجبور ہو کر آپ لندن تشریف لے گئے، سات آٹھ مہینہ کے بعد لندن سے واپس آ کر اکتوبر ۱۹۶۲ء میں بمبئی میں اعلان کر دیا کہ لیگ کو پھر زندہ کر دینا چاہئے، اس اعلان سے ڈاکٹر اقبال بہت برہم ہوئے اور فوراً تنقیدی قطعہ ارشاد فرمایا، جو صدائے لیگ کے عنوان سے روزنامہ زمیندار مورخہ ۹ نومبر ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا، اُس وقت کے تمام اُردو اخبارات نے نہایت شان دار طریقے سے شائع کیا اور بہت سے لوگوں کے در زبان رہا وہ قطعہ یہ ہے جو اس وقت میری نوکِ زبان ہے، صدائے لیگ (از ترجمانِ حقیقت ڈاکٹر محمد اقبالؒ)

لندن کے چرخِ نادرہ فن سے پہاڑ پر : اترے مسیح بن کے محمد علی جناح
نکلے گی تن سے تو کہ رہے گی بتا ہمیں : اے جان برب آدمہ اب تیری کیا صلاح
دل سے خیالِ دشتِ دبیا باں نکال دے : مجنوں کے واسطے ہے یہی جادۂ فلاح
آغا امام اور محمد علی ہے باب : اس دین میں ہے ترکِ سوادِ حرم مباح
بشریٰ لکم کہ منتظرِ رسیدہ ہست : یعنی حجابِ غیرتِ کبریٰ دریدہ ہست

روزنامہ زمیندار مورخہ ۹ نومبر ۱۹۶۲ء

میں نے علامہ اقبال کی خدمت میں عرض کیا کہ قطعہ تو بہت اچھا ہے لیکن جناح صاحب پر اس قدر

سخت تنقید پر مناسب ہے تمام لوگ قطعہ کو بہت پسند کر رہے ہیں مگر میں اس بارے میں آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، میں بھی آپ کی طرح جناح صاحب کا مخالف ہوں، ناگ پور میں کانگریس کے اجلاس میں جب اُن پر شیم شیم کی آوازیں کسی گئیں تو میں نے بھی زور سے شرم شرم کی صدا بلند کی، میں پکا خلافتی اور کانگریسی ہوں اور وہ ان دونوں کے سخت خلاف ہیں، لیکن انھوں نے ۱۹۱۸ء میں جو بہت اہم کام انجام دیا ہے اُس کا اثر میرے دل و دماغ پر بہت زیادہ ہے، ۱۹۱۸ء میں وزیر ہند لارڈ مائیکو جب ہندوستان آئے تھے، اور پورے ملک کا انھوں نے دورہ کیا تو ایک رپورٹ لارڈ چیمپو اور مائیکو کے نام سے مرتب کی گئی جس میں سفارش کی تھی کہ ہندوستان میں کافی صلاحیت ہے اس لئے اُسے اصلاحات ملنے چاہئیں اس رپورٹ کی تائید تمام صوبجات کے گورنروں اور لفٹننٹ گورنروں نے کی، لیکن بمبئی کے گورنر لارڈ ولنگٹن نے اس کی مخالفت کی کہ ہندوستان میں اصلاحات کی قابلیت نہیں ہے، ولنگٹن کے اس دئیہ کی کسی نے مخالفت نہیں کی صرف مسٹر محمد علی جناح ہی تھے جنھوں نے مشرح اور غیر مبہم الفاظ میں مخالفت کی اور لارڈ ولنگٹن کو دشمن ہند کہا کہ ایسے دشمن ہند گورنری کے لائق نہیں ہیں، حکومت برطانیہ کو چاہیے کہ وہ انہیں واپس بلائے، جب لارڈ ولنگٹن کی میعاد گورنری ختم ہوئی اور وہ لندن جانے لگے تو بمبئی کے کارپوریشن کی جانب سے لارڈ موصوف کے اعزاز میں جلسہ منعقد ہوا، اس موقع پر مسٹر محمد علی جناح اور ان کی بیوی نے کالی جھنڈیوں سے لارڈ ولنگٹن کا استقبال کیا، غیر قوم میں سے کسی کی یہ جرأت نہ ہو سکی، لہذا میں آپ کی خدمت میں بادب التماس کرتا ہوں کہ ازراہ کرم اس قطعہ کو اپنے مجموعہ اشعار سے خارج کر دیجئے گا۔

خط لکھ کر دو ہفتے کے بعد جناب ڈاکٹر اقبال کا نوازش نامہ موصول ہوا جس میں آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ واقعی جوش میں آکر میں نے چند تنقیدی اشعار لکھ دیئے ہیں لیکن آپ کے خط نے میرے جوش کو فرو کر دیا، میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے بروقت مجھے متنبہ کر دیا، آپ کے سوا اور کسی نے مجھے نہ لکھا اور نہ کسی نے زبانی ہی کچھ کہا ہے، اس بارے میں لکھنے والے آپ فرد واحد ہیں، اطمینان رکھئے کہ میں نے اُن اشعار کو آپ ہی کے کہنے سے اپنے مجموعہ اشعار سے خارج کر دیا ہے۔

۱۹۲۸ء میں جناب ڈاکٹر اقبال صاحب مدراس تشریف لائے تھے تو میں اُن سے ملنے کی غرض سے مدراس گیا اور جناب یعقوب حسن سیٹھ صاحب کی معیت میں اُن سے ملا، سیٹھ صاحب نے میرا تعارف اُن سے کرانا چاہا آپ نے فرمایا میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں، یہ اہل ایمان میں سے ہیں۔ جہاں میں اہل ایمان صورتِ خوشید جیتے ہیں، ادھر نکلے ادھر ڈوبے، ادھر نکلے ادھر نکلے اور پھر فرمانے لگے، ۱۹۱۷ء میں آپ لاہور آکر مجھ سے ملے ہیں، میں نے اسرارِ خودی میں جو تنقید خواجہ حافظ پر کی تھی اُس بارے میں آپ نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں اُن تنقیدی اشعار کو مثنوی اسرارِ خودی سے خارج کر دوں چنانچہ اُن کے کہنے سے میں نے اُن اشعار کو خارج کر دیا پھر ۱۹۲۱ء میں مسٹر محمد علی جناح صاحب پر چند اشعار بطور تنقید کہے تھے جنکو تمام اخبارات نے شائع کیا تھا اُس بارے میں آپ کا ایک خط آیا تھا کہ ان اشعار کو اپنے مجموعہ سے خارج کرو، میں نے ان کے لکھنے سے اُن اشعار کو اپنے کلیات سے خارج کر دیا میں جانتا ہوں یہ افغان ہیں، جب کسی بات کے پیچھے لگ جاتے ہیں جب تک اُسے حاصل نہیں کر لیتے چین سے نہیں بیٹھتے!

اب ایک تیسری تنقید ملاحظہ فرمائیے۔

(۳) ۱۹۳۸ء کا ذکر ہے کہ حضرت مولانا حسین احمد رضا مدنیؒ نے پُل بنگش کے پاس رات کے وقت ایک جلسہ میں تقریر کی تھی جس میں فرمایا تھا کہ آج کل اقوام وطن سے بنتی ہیں، مذہب سے نہیں بنتیں، جلسہ میں اخبار "الامان" کا نامہ نگار بھی تھا، اُس نے پوری رپورٹ مولوی مظہر الدین شیر کوٹی کو سنائی، چونکہ مولوی مظہر الدین مولانا مدنیؒ کے سخت مخالف تھے اس لئے انھوں نے جناب ڈاکٹر اقبال سے جو اُس دن لاہور سے دہلی آئے تھے کہا کہ رات کے جلسہ میں مولانا مدنیؒ نے کہا ہے کہ ملتیں وطن سے بنتی ہیں، مذہب سے نہیں بنتیں، چوں کہ یہ بات ڈاکٹر اقبال کے نظریے کے سخت خلاف تھی اس لئے جوش میں آکر مولانا مدنیؒ پر سخت تنقید کی جس کا اظہار اس قطعے میں کیا ہے۔

عجم ہنوز نداندر موزِ دیں ورنہ ۛ زدیو بند حسین احمد! ایں چہ بولوا لہجی ست
سرود بر سرِ ممبر کہ ملت از وطن ست ۛ چہ بے خبر ز مقامِ محمد عربی ست
بہ مصطفیٰ بہ رساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست ۛ اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

جب حضرت مولانا مدنی کی نظر سے یہ قطعہ گذرا تو آپ نے اخبارات میں بیان شائع کروادیا کہ میں نے ملت کا لفظ نہیں استعمال کیا ہے بلکہ قوم کا لفظ استعمال کیا ہے کہ قومیں وطن سے بنتی ہیں نہ کہ مذہب سے، مولانا مدنی کا بیان جب اخبارات میں شائع ہوا تو جناب اقبال احمد صاحب سہیل نے جناب ڈاکٹر اقبال کے جواب میں ایک سخت نظم تحریر فرمائی اور ڈاکٹر صاحب پر تنقید کی نظم سولہ اشعار پر مشتمل تھی، اُن میں سے دس شعر جو میری نوک زبان ہیں ملاحظہ ہوں۔

کسے کہ خردہ گرفتست بر حسین احمد
کہ گفت بر سرِ ممبر کہ ملت از وطن ست
درست گفت محدث کہ قوم از وطن ست
زبان طعنے کشادی مگر ندانستی
تفاوتے ست فراداں میانِ ملت و قوم
خدائے گفت بہ قرآن لیکل قوم ہاد
بقوم خویش خطاب پیراں بنگر
رموزِ حکمت دایماں ز فلسفی جستن
بہ دیوبند گر اگر نجات می طلبی
بگیر راہ حسین احمد از خدا خواہی

زبان ادعجی و کلام در عربی ست
دروغ گوئی دایمادایں چہ بوالعجی ست
کہ مستفاد ز فرمودہ خدا و نبی ست
کہ فرق ملت و قوم از لطائفِ ادبی ست
یکے ز کیش دگر کشوری ست یا نبی ست
مگر بہ نکتہ کجا پے پرد کسے کہ غبی ست
پہ از حکایت یا قوم مصحفِ عربی ست
تلاش لذتِ عرفاں ز بادۂ رعشی ست
کہ دیو نفس سلحشور و دانش تو صبی ست
کہ نائب ست نبی را دہم ز آلِ نبی ست

حضرت مولانا مدنی کا اخبارات میں بیان اور اقبال احمد صاحب سہیل کی متذکرہ بالا نظم جب ڈاکٹر اقبال صاحب کی نظر سے گذری تو فوراً اخبار ”مدینہ“ بخمور مورخہ ۵ مارچ ۱۹۳۸ء میں مضمون شائع کروادیا کہ واقعی مجھ سے غلطی ہوئی ہے، مجھے غلط خبر پہنچی تھی جس کی وجہ سے میں نے برا فردختہ ہو کر اُن پر سخت تنقید کی، اب اصل حقیقت مجھ پر منکشف ہو گئی ہے اس لئے میں مولانا مدنی سے خواستگار معافی ہوں امید ہے کہ مولانا صاحب مجھے معاف فرمائیں گے۔

ڈاکٹر اقبال صاحب نے تو معافی مانگ لی لیکن لوگوں نے اُن کے کلیات سے قطعہ خارج نہیں کیا۔ اصل بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا معافی نامہ ۵ مارچ ۱۹۳۸ء کو شائع ہوا تھا اور اُن کا انتقال ۲۰ اپریل ۱۹۳۸ء کو ہوا۔ اگر زیادہ دن تک زندہ رہتے تو یقین ہے کہ وہ خود قطعہ کو کلیات سے خارج کر دیتے۔ !!!

مرزا حسن بیگ رفیع

ڈاکٹر سید امیر حسن صاحب عابدی، استاد فارسی دہلی یونیورسٹی

مرزا حسن بیگ متخلص بہ رفیع اصلاً قزوینی تھے مگر چونکہ مشہد میں رہنے لگے تھے اس لئے مشہدی کہے جاتے ہیں، شروع میں رفیع نذر محمد خاں حاکم توران کے منشی اور کتاب دار تھے، کہا جاتا ہے کہ جب شاہجہان کی فوج بلخ کو فتح کرنے کے لئے چلی تو رفیع اپنے فائدہ کے خیال سے دہلی آ گئے، مولف نثر عشق کے قول کے مطابق وہ سنہ ۱۰۵۲ یا ۱۰۵۳ ہجری (۱۶۴۰ - ۴۱ عیسوی) میں شاہجہان کے دربار میں پہنچے اور پانصدی منصب پر فائز ہوئے، مگر مولف باغِ معانی نے لکھا ہے کہ یہ کہنا کہ وہ سنہ ۱۰۵۲ ہجری میں ہندوستان آئے صحیح نہیں ہے۔ غالباً صاحب ہمیشہ بہار کا کہنا ٹھیک ہے کہ رفیع ۱۰۶۲ ہجری (۱۶۵۳ - ۵۴ عیسوی) میں ہندوستان آکر شاہجہان کے دربار تک پہنچے۔

رفیع نے اپنے سفر کا سبب بتایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اپنے عشق اور اس میں ناکامی کی وجہ سے سفر کرنا پڑا تھا:-

خال تو ام انداخت مرا بر سفر ہند : ہندو بچہ گشت مرا را ہر ہند
از رشک رفیع از سر کویت بسفر رفت : ورنہ کیش آمد بنظر سیم دزد چہند
نیز معلوم ہوتا ہے کہ وہ وطن سے تنہا بغیر کسی دوست کے چلے تھے :-
از وطن یاری نیامد بامن شیدا بروں : آدم ما نند دست از آستین تنہا بروں

۱۰۶۱ - ۶۰ ہجری / ۱۶۵۰ عیسوی سے ۱۰۳۷ - ۳۶ ہجری / ۱۶۲۸ - ۲۷ عیسوی -